© rasailojaraid.com

دوسری قسط

مغربی فن تعمیر پر

اسلامی فن تعمیر

کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برگس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے

قبۃ الصخراء پتھر کی ایک وسیع عمارت تھی در حقیقت یہ ایک مشہد (جائے شہادت) تھا، جس میں زائرین اس چٹان کا طواف کرتے تھے جس کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمدؐ اسی کے اوپر سے اپنے آسمانی سفر معراج کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں یہ عمارت بالکل منفرد رہی اور کم سے کم چار صدیوں تک صحن کے ساتھ جامع مسجد کے عام مربع نقشے میں کسی طرح کی کوئی اہم تبدیلی کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے یہ فرض کر لیا گیا اور بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ فرض کر لیا گیا کہ قبۃ الصخراء محض رومی یا بازنطینی قسم کی عمارت ہے، بت پرستوں یا نصرانیوں کی بنائی ہوئی اس سے پہلے کی عمارتوں کی نقل ہے، اسے شروع سے آخر تک نصرانی معماروں نے بنایا ہے، اس لیے یہ ایک دوسرے فن تعمیر کا کارنامہ ہے اور عرب آرٹ کے اصل دھارے سے بالکل الگ کھڑا ہے۔ اس نقطۂ نظر میں ایک حد تک صداقت ضرور پائی جاتی ہے اور بظاہر اس میں کچھ معقولیت بھی نظر آتی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

[illegible] والی اس قسم کی مدور عمارت کے بنانے میں عربوں کے سامنے ایک قطعی مقصد موجود تھا۔ وہ بیت المقدس کی 'مقدس چٹان' (صخرا) پر جو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک ایک مقدس چیز تھی، ایک پر شکوہ عمارت بنانا چاہتے تھے اور وہ ایک ایسی عمارت تعمیر کرنا چاہتے تھے جو اس سے قریب ہی بنے ہوئے ضریح مسیح کے مشہور کلیسا کی حریف ہو اور شان و شکوہ میں اس پر سبقت لے جائے۔ یہ نیا مشہد، اس وسیع چٹانی سطح مرتفع کے وسطی حصے میں جو 'حرم شریف' کہلاتا تھا، ایک بڑا سا چبوترہ یا کرسی دے کر بنایا گیا۔ (اس کی سیدھ میں نقشہ کے مرکزی محور پر اس سے پہلے سے ایک مسجد بنی ہوئی تھی جو مسجد اقصیٰ کہلاتی تھی یہ ایک قدیم عمارت تھی۔ اس کی تاریخ اتنی مبہم اور پیچیدہ ہے کہ اس کا یہاں بیان کرنا لا حاصل ہے اپنی عبادت گاہ کی نمایاں خصوصیت کے طور پر گنبد یا زیادہ صحیح معنوں میں، حلقہ نما مدوّر ہال کا انتخاب کر کے عربوں نے بڑی دانائی کا ثبوت دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اسی طرح گنبد کو کسی مقبرے یا کسی مقدس مقام کی چھت کے طور پر اس کے سب سے اونچے اور پوری عمارت کو قابو میں رکھنے والے عنصر کی حیثیت سے عربوں سے پہلے رومی اور بازنطینی دونوں استعمال کر چکے تھے لیکن یہی قومیں کرۂ ارض پر گنبد بنانے والی اکیلی قومیں نہ تھیں۔ اسٹرازگوڈسکی، جو ایرانی تصورات کے بڑے مداح ہیں، کہتے ہیں کہ گنبد کی مشرقی طرز کی ابتداء ایشائے کوچک یا مشرق بعید میں ہوئی، یہی طرز آرمینیا کے ذریعہ بازنطینیوں کے ہاتھ آئی، اور پھر ان سے بلقان کے علاقوں اور یونانی کلیساء کی سرپرستی میں روس میں پھیلی۔ اس طرح اگرچہ عربوں نے یہاں پہلی بار گنبد استعمال کیا لیکن وہ ایک ایسی چیز اختیار کر رہے تھے جو نہ تو بالکلیہ نصرانیوں کی تھی اور نہ ہی بالکلیہ رومیوں کی تھی۔ غالباً انہوں نے مشہور کنیستہ القیامتہ (Anestasio) کے گنبد کی نقل کی تھی جو اس سے قریب ہی تھا، اور ٹھیک اس کے حجم کا تھا۔ یقیناً شام اور آرمینیا میں گنبد والے کلیسا ساتویں صدی سے بہت پہلے سے موجود تھے اور قبۃ الصخراء قسم کے کلیسا یعنی ایک مثمن کے اندر مدوّر ہال والے کلیسا فلسطین میں پہلے سے موجود تھے۔ باقی چیزوں میں دیواریں ٹھوس پتھر کی ہیں، اندرونی چھتوں اور دریچوں کے موکھوں کی کمانیں نیم قوسی ہیں اور دونوں چھتوں میں جتنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ستون استعمال ہوئے ہیں ان میں سے صرف دو قدیم زمانے کے ہیں اور بت پرستوں یا نصرانیوں کی پچھلی عمارتوں سے لیے گئے ہیں۔ اسی طرح ان ستونوں کے دھرے اور نہ ہی ان کے سر ستون طرز میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں کمانوں کی جست کے اطراف زبردست چوبی شہتیروں کے جوڑ دیئے گئے ہیں۔ یہ جوڑ غالباً زلزلوں کے جھٹکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دیئے گئے ہیں جو اس علاقے میں عام ہیں یا پھر اس لیے دیئے گئے ہیں کہ معماروں کو محض کمانوں پر بھروسہ نہ تھا۔ ایسی ہی حفاظتی تدبیریں بازنطینی عمارتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خود گنبد دوہرا ہے اور پورے کا پورا لکڑی سے بنایا گیا ہے باہر کی طرف اس پر سیسہ اور اندر کی طرف منقوش اور رنگین پلاسٹر چڑھایا گیا ہے۔ لیکن یہ قدیم اصلی حصہ نہیں ہے۔ پچی کاری کا بیشتر کام اصلی ہے۔ لیکن باقی تزئینی کام کا بیشتر حصہ بعد کے زمانے کا ہے۔ اس طرح ہم قبۃ الصخراء میں یہ دیکھتے ہیں کہ گنبدی نقشہ، نیم قوسی کمانوں کا استعمال، چوبی جوڑ، اور غالباً پچی کاری نئی جدتیں ہیں۔ نیم قوسی کمان قطعی طور پر عربوں کی ایجاد نہ تھی، چوبی جوڑں کی اصل مشتبہ ہے، اور پچی کاری کا قدیم ترین استعمال اسلام سے پہلے کی چیز ہے۔

قبۃ الصخراء کے بعد ترتیب زمانی کے لحاظ سے دوسری اہم اسلامی عمارت دمشق کی جامع کبیر ہے جو آٹھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں تعمیر ہوئی۔ اس کا صدر ایوان یا حرم ایک شاندار کمرہ سا ہے۔ جس میں اسے صحن سے الگ کرنے والی کمانوں کے اندر دروازے یا جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ صحن کی باقی تین سمتوں کو بھی چھتے دار برآمدے گھیرے ہوئے ہیں۔ صدر دالان کے ساتھ تین بغلی دالان ہیں، عرضی حصے کے ختم پر یعنی صدر دالان کی شمالی دیوار کے وسط میں محراب ہے جو قبلہ یا سمت کعبہ کی نشاندہی کر رہی ہے۔ مرکزی صحن کو گھیری ہوئی کچھ کمانیں پایوں پر اور کچھ کمانیں ستونوں پر اٹھائی گئی ہیں۔ یہ کمانیں گھڑ نعلی شکل کی ہیں۔ کمانوں کی یہی گھڑ نعلی شکل آگے چل کر مغربی اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بننے والی تھی جس کے اسباب کچھ زیادہ واضح نہیں ہیں۔ مگر گھڑ نعلی کمان مدوّر یا سرے پر نوکدار ہوتی ہے لیکن بہر صورت اس کا جماؤ جست کے خط کے نیچے ہی ہوتا ہے۔ دمشق میں مدوّر گھڑ نعلی کمان استعمال کی گئی ہے صدر چھتے کے اوپر پورے صحن کے اطراف نیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرنی محرابیں والے دریچے ہر کمان پر دو دو کے حساب سے بنائے گئے ہیں جس رومی معبد کے احاطے (TEMENOS) کے چار گوشوں کے اندر یہ مسجد بنائی گئی ہے اس کے ہر گوشے پر ایک برج بنا ہوا تھا۔ ان ہی برجوں کو عربوں نے میناروں کی طرح استعمال کیا۔ اب ان چار برجوں میں سے صرف ایک برج (شمالی مغربی گوشے پر) باقی رہ گیا ہے دوسرے مینار بعد کے زمانے کے ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ مرمر پچی کاری اور رنگین شیشوں کے بڑے بڑے دریچوں سے سجایا گیا تھا۔ مسجد کے عام نقشوں سے اس مسجد کا نقشہ غالباً اس لیے الگ ہے کہ یہ مسجد میں تبدیل کیے ہوئے شامی کلیساؤں سے متاثر ہے۔ کلیسا کی طرح اس میں عرضی حصے کا داخل کرنا اور حرم کے وسط میں گنبد کا بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سے مقصود قبلہ کی اہمیت کو واضح کرنا تھا، اور یہ قبلہ نما تیسری بار ایک محراب کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ محراب ممکن ہے خود عربوں کی اپنی ایجاد ہے۔ دنیا کے ایک ایسے حصے میں جہاں آنکھوں کی بیماریاں بہت عام ہیں، جیسا کہ ایک بوڑھے شیخ نے مجھ سے ایک بار کہا تھا، محراب کو مجوف صورت میں اس لیے بنایا گیا کہ دیواروں کو چھو چھو کر اپنا راستہ طے کرنے والا اندھا آدمی فوراً اسے پہچان لے۔ یا ممکن ہے محراب نصرانی نیم قوسی طاق (Ajisc) سے لی گئی ہو۔ گھڑ نعلی کمان قبل اسلام عمارتوں میں پائی گئی ہے جو پتھر میں تراشی گئی ہے لیکن دمشق میں اس کا ظہور ان اولین مثالوں میں سے ایک ہے جہاں یہ حقیقی تعمیری مقصد کے ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ مینار کا مقصد بالکل واضح ہے۔ اس سے مؤذن کے لیے ایک ایسی اونچی جگہ مہیا کرنا تھا جہاں سے وہ مومنوں کو نماز کے لیے بلا سکے۔ یہ صدا عبادت گذاروں کو بلانے کے لیے لوہے کا ٹکڑا پیٹ کر آواز بلند کرنے (گھنٹے بجانے کی رسم شروع ہونے سے پہلے) کی نصرانی رسم اور یہودیوں کے بوق بجانے کے رواج کے مقابل ارادتاً ایجاد کی گئی ہے۔ اس مینار کے استعمال کی پہلی مثال دمشق میں نظر آتی ہے۔

قدیم ترین باقی ماندہ مینار تونس سے قریب قیروان کی جامع کبیر کا مینار ہے اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ مینار خلیفہ ہشام (۷۲۴ء ـ ۷۴۳ء) کے عہد میں بنا ہے۔ یہ ایک ذرہ پر دست اور بھاری بھر کم عمارت ہے اور اوپر کی طرف قدرے گاؤدم ہوتی گئی ہے۔ سب سے اوپر گھڑ نگیج یا برجیاں بنائی گئی ہیں اس پر دو منزلیں ہیں، جن میں سے ایک بعد کے عہد

© rasailojaraid.com

کی ہے اگر یہ بھی درست ہو کہ دمشق کے چاروں مربع مینار پہلے مینار تھے جو اس مقصد کے لیے استعمال ہوئے تب بھی قیروان کے مینار کی بالکل سیدھی سادی سی عمارت کی اصل کو شام یا کسی اور خاص مقام سے منسوب کرنے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی یہ ایک مذہبی ضرورت کی ایک مثال ہے جو کسی بناؤ کے بغیر نہایت سیدھے سادے انداز میں پوری کی گئی ہے اس کے سوا قیروان کی مسجد جامع مسجد طرز کی ہے۔ اس میں اکثر ردو بدل ہوئے ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے اس کی وہی صورت برقرار رکھی گئی جیسی کہ وہ نویں صدی کے آخر میں بنائی گئی تھی تونس کی جامع الزیتونیہ جو ۷۳۲ء میں بنی ہے جامع مسجد طرز کی ایک اور ابتدائی اور دلچسپ مثال ہے۔ یہ مسجد ایسے چھتوں سے بنائی گئی ہے جس کی کمانیں ناخوشگوار قسم کی ہیں اور ان کمانوں کو عہد قدیم کے ستون اٹھائے ہوئے ہیں۔ کمانوں کے سرولوں کے اوپر چوبی کندے یا پرکالے ہیں جو جوڑ دینے والی چوبی شہتیروں سے مربوط ہیں۔ اس تدبیر نے بہت سی ابتدائی اسلامی عمارتوں کے حسن و خوبی کو متاثر کر دیا ہے۔ اسپین میں قرطبہ کی جامع مسجد ۷۸۶ء میں بننی شروع ہوئی وہ اسی سلسلے کی ایک عمارت ہے۔ اس کا رقبہ دسویں صدی میں پہلے رقبہ سے دُگنے سے بھی زیادہ کر دیا گیا۔ لیکن اس کی اصلی شکل اب بھی اس کی موجودہ عمارت کے بغور مطالعہ سے پہچانی جا سکتی ہے۔ یہ ایک جامع مسجد تھی اس کا حرم بہت گہرا بنایا گیا تھا۔ حرم میں گیارہ بغلی والان تھے جنہیں چھتے دے کر ایک دوسرے سے الگ کیا گیا تھا اور ہر چھتے میں بیس ستون تھے۔ یہ ستون، مذکورہ بالا صورتوں کی طرح قدیم رومی عمارتوں سے حاصل کیے گئے تھے۔ حرم کے زبردست حجم کی وجہ سے اس کے لیے متوازن بلندی کی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ حقیقت میں اس کے لیے اس سے بھی اونچی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا جتنی کہ قابل حصول معمولی ستونوں پر بنی ہوئی گھڑنعلی کمانیں اٹھا سکتی تھیں۔ اس لیے کمانوں کا ایک اور سلسلہ بلند تر سطح پر بنایا گیا۔ اس کی وجہ سے ایک گنجلک اور مضطرب سا اثر پیدا ہو گیا۔ جو کچھ خوشگوار نہیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلے سے بنے ہوئے قدیم ستونوں کے استعمال نے قیروان اور قرطبہ دونوں جگہ چھتے کی صورت گری کو متعین کر دیا۔ اس کے برخلاف اگر یہاں اینٹ یا پتھر کے پائے استعمال کیے جاتے یا عمارت کے لیے خاص طور پر بنائے ہوئے بلند تر ستونوں سے کام لیا جاتا

© rasailojaraid.com

تعمیر کار کے لیے اس ناخوشگوار صورت سے اپنا دامن بچالینا ممکن ہوتا۔ قرطبہ کی پوری مسجد کو ایک اونچی پختہ دیوار سے گھیر اگیا تھا اور پورے صحن کے اطراف چھتے تھے۔

اب ہمیں عراق (مسوپٹیمیا) کی طرف لوٹ چلنا چاہیے جہاں اینٹ چونے میں کئی مسجدیں بنائی گئی ہیں۔ مسجدوں کا یہ سلسلہ اس ملک کی روایتی طرز میں بنا ہے۔ اسی سلسلہ کے ایک سرے پر مدینہ کی اولین مسجد ہے اور آخر میں قاہرہ کی مشہور جامع ابن طولون ان درمیانی مسجدوں کی مثالوں میں قابل لحاظ اخیضر، رقہ، ابودلف اور سامرہ کی مسجدیں ہیں۔ ان میں سے پہلی دو مسجدوں کے بارے میں اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ آٹھویں صدی کے آخر کی ہیں اور آخر الذکر مسجدیں نویں صدی کے وسط کی ہیں۔ ان تمام مسجدوں میں ساسانی تعمیر کاری کی روایتیں پائی جاتی ہیں اور ان سب کو جامع مسجد کے نقشہ پر بنایا گیا ہے۔ اخیضر کی مسجد جس کا حال بڑے دلکش انداز میں آں جہانی گر ٹروڈ بل نے اپنی عالمانہ کتاب میں بیان کیا ہے۔[1] ہمارے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہیں نکیلی کمان اپنی اولین صورت میں ملتی ہے۔ یہی نکیلی کمان آگے چل کر مغربی گوتھک فن تعمیر کی نمایاں ترین خصوصیت بننے والی تھی۔ ساسانیوں کی مخصوص کمان نیم قوسی کمان ہے، لیکن کبھی کبھار نکیلی کمانوں کے ابتدائی نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ گھڑ نعلی کمانیں غالباً اس سے پہلے عراق (مسوپٹیمیا) میں استعمال ہوئی ہیں۔ ایسی بہت سی کمانیں شاہی کلیساؤں میں (مثلاً قصر ابن وردان کے کلیسا میں) موجود ہیں اور اطالیہ کے شہر چیوزی Chiusi میں تو واقعتا یونانی کمانوں کی ایک مثال دکھائی دیتی ہے۔ اخیضر کی کمانیں بیضوی نکیلی اور قدرے اونچے ستون دے کر بنائی گئی ہیں، سامرہ کے قریب ابودلف میں وہ خم اختیار کرلیا ہے جو بعد کے اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بن گئی اور یہی شکل آٹھویں صدی کے آخر تک عراق (مسوپٹیمیا) میں کمانوں کی تمام شکلوں کی جگہ لینے لگی اس سے بہت پہلے کی نکیلی کمانیں کہیں کہیں ہندوستان میں ٹھوس پتھر میں کٹی ہوئی ملتی ہیں لیکن یہ پتھر میں کٹی ہوئی ہیں اس لیے حقیقت میں وہ کمانیں بالکل نہیں ہیں۔ (جاری ہے)

---

[1] جی۔ ایل۔ بل "اخیضر کا قصر اور مسجد" (آکسفورڈ ۱۹۱۴ء)

© rasailojaraid.com